# اردو پر عربی زبان کے لسانی اثرات کے اسباب کا جائزہ

# *Analysis of the causes of the linguistic influence of Arabic language on Urdu*

**Dr. Naila Abdul Karim**
*Assistant Professor, Dept. of Urdu, University of Mianwali, Mianwali:*
dr.nailaabdulkarim@umw.edu.pk

**Dr. Qamar Abbas**
*Lecturer, Dept. of Iqbal Studies, The Islamia University, Bahawalpur:*
dr.qamarabbas@iub.edu.pk

**Saira Bano**
*PhD Scholor, National College of Business Administration & Economics, Lahore (Multan Campus):*
sb2036693@gmail.com

**Abstract:**
*Although Urdu language is very easy. It should be accepted but Urdu language is very difficult. When spoken in Urdu under a title, even Iqbal was unable to recite the poem as per the requirement. And they often had to refuse to comply with the requests - only the Lahore Anjuman Sahab-i-Islam got the opportunity due to some reasons that in its annual meetings for many years Iqbal recited his poem which was written especially for that meeting. And which he used to worry about earlier - however, Urdu language has this honor. That it is a mixture of many languages. In addition to Turkish, Bengali, Arabic and Persian, it also incorporates words from many regional languages.*

**Keywords:** *Urdu, Arabic, Persian,Turkish, Regional Languages.*

## ابتدائیہ

اگرچہ اردو زبان بہت آسان ہے۔ یہ مان بھی لیا جائے لیکن اردو زبان بہت مشکل ہے۔ جب کسی عنوان کے تحت اردو میں بولا جائے یہاں تک کہ اقبال بھی بایں ہمہ موزونی طبع حسب فرمائش شعر کہنے سے قاصر رہے۔ اور انھیں

اکثر فرمائشوں کی تعمیل سے انکار ہی کرنا پڑا۔ فقط لاہور کی انجمن حمایت اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبال نے اپنی نظم سنائی جو خاص اُسی جلسہ کے لیے لکھی جاتی تھی۔ اور جس کی فکر وہ پہلے سے کرتے رہتے تھے -تاہم اردو زبان کو یہ اعزاز حاصل ہے۔ کہ یہ بہت سی زبانوں کا مرکب ہے۔ اس میں ترکی، بنگالی، عربی اور فارسی کے علاوہ کئی علاقائی زبانوں کے الفاظ کا بھی انجذاب ہے۔

اردو ایک ہند آریائی زبان ہے۔ اور جب مسلمانوں کے سیاسی تسلط کا آغاز فتح مکران اور رفتح سندھ سے ہوتا ہے۔ تو عربوں کے قیام اور سرکاری زبان کی حیثیت سے عربی نے مغلوں کی مقامی زبانوں کو متاثر کیا۔ اور وہاں کا رسم الخط بدل کر عربی ہو گیا۔

تاہم فارسی بولنے والے حکمرانوں کے حملوں کا آغاز گیارہویں صدی کے اوائل سے ہوتا ہے۔ چنانچہ کئی صدیوں تک فارسی سرکاری اور درباری زبان رہی۔ اس دوران نہ صرف حاکموں کے تہذیبی اثرات پھیلے بلکہ ان کی زبان بھی اپنے دائرے کو وسیع کرتی رہی۔ حاکموں کی زبان کو قبول کرنا سماجی و معاشی ضرورت تھی۔ سرکار کے ہاں اور درباروں میں تو وہ اپنی اصلی شکل میں استعمال ہونے لگی مگر عوام میں اس کا رجحان کچھ ماند رہا۔ لیکن بول چال میں فارسی الفاظ اپنی جگہ بنانے لگے۔ اور سیاسی تسلط اور حکمران طبقے کے قیام سے یہ عمل سماج کی ضرورت بن گیا۔ تاہم محمود غزنوی کے دور سے مسلمان حکمرانوں کی گرفت مضبوط ہوتی گئی یہاں تک کہ مغلیہ سلطنت نے ہندوستان کو سیاسی وحدت میں منتقل کر دیا۔ لہذا اس مقالے میں اردو پر عربی زبان کے لسانی اثرات اور ان کے اسباب کا جائزہ لیا جائے گا جن کی وجہ سے عربی زبان کے لسانی اثرات اردو پر مرتب ہوئے۔

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک وہ دور جو سلطان محمود غزنوی کی فتوحات پر ختم ہوا۔ یہ کوئی پونے چار سو سال کی مدت ہے۔ اس عرصے میں برصغیر کے شمال مغربی علاقوں پر عربی زبان و ادب اور عربی تہذیب و تمدن کا تسلط رہا۔

دوسرا دور کوئی 5 سو سال کا ہے جو غزنوی عہد اور عہد سلاطین پر مشتمل ہے۔ اس دور میں برِ صغیر دارالسلام کہلایا اور تہذیبی طور پر ملت اسلامیہ کی عالمی وحدت کا رکن رہا۔ پانچ سو سالوں کے اس دور میں جس کا آغاز محمود غزنوی کے ورود سے ہوتا ہے، فارسی ادب کا رواج ہوا اور فارسی زبان اظہار کا ذریعہ بنی۔ ویسے مغربی پاکستان کی سرزمین میں فارسی زبان اس عہد سے بھی پہلے پہنچ چکی تھی بلکہ ملتان کے علاقے میں عام تکلمی زبان کی حیثیت حاصل کر چکی تھی۔

پھر تیسرا دور مغلیہ عہد ہے۔ جو 1526 عیسوی سے 1857 عیسوی تک کی مدت پر محیط ہے۔ اس میں ملتِ اسلامیانِ پاکستان و ہند نئے تہذیبی اثرات سے روشناس ہوئی اور معاشرے میں فکری مد و جزر کار فرما رہا۔ اس دور میں افکار اور خیالات میں وسعت پیدا ہوئی اور اگرچہ اقتدار میں ایک حد تک تزلزل کے آثار نمایاں ہونے لگے لیکن تخریب اور انتشار کے ساتھ ساتھ تعمیر کا عمل بھی جاری رہا۔ اس پوری مدت میں فارسی کی ادبی اقدار ہماری تہذیبی زندگی کا محرک اور غالب عنصر تھیں۔

اس کے بعد مغربی تہذیب، اس کے اُصول زندگی اور اس کے معاشی، سماجی اور معاشرتی افکار کی اشاعت ہوئی۔[1] تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند میں درج ہے:

"برِّ صغیر ہند و پاکستان میں مسلمان تین حیثیتوں سے آئے اور اپنے ساتھ اسلامی تعلیمات و افکار، اسلامی ثقافت و تمدن اور اسلامی علوم و فنون لے کر آئے ایک تو تاجر یا کاروباری افراد کی حیثیت سے، دوسرے فاتح سپہ سالاروں اور سلاطین کے ہمراہیوں کی طرح اور تیسرے مبلغین صوفیاء کی روپ میں۔ یہ صوفیائے کرام ہر قسم کے دنیاوی مفاد اور مادی منفعت سے بے نیاز تھے. مسلم حکومت کے قیام کے بعد سندھ میں جابجا مسلمانوں کی نو آبادیاں بن گئی تھیں اور مسجدیں، مدرسے مکتب اور سرائیں قائم ہو گئی تھیں"۔[2]

---

[1] وحید قریشی، ڈاکٹر، مدیرِ خصوصی، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، چھٹی جلد، اردو ادب (اول)، پنجاب یونیورسٹی لاہور، طبع اول، 1971, ص، ا، ب

[2] ایضا، ص، 207

اسلام اپنی خوبیوں کی وجہ سے تیزی سے پھیلنے لگا، اس کے پھیلنے سے متعدد اسباب میں سے ایک سبب اسلام کا انسانی حقوق پر زور اور طبقاتی نظام کی مخالفت تھی۔[3] جس کی وجہ سے سید صباح الدین "ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک" میں مذکور ہیں۔

> "جب سین خاندان کے لوگ جنوب کی طرف سے بنگال میں داخل ہوئے تو وہ اپنے ساتھ ہندومت اور اس کی تمام معاشرتی پابندیاں بھی لے آئے جن سے نیچے ذاتوں کے جذبات کو ہمیشہ ٹھیس لگتی تھی اور جب بارہویں صدی میں اسلام آزادی اور مساوات کا ڈنکا بجاتا ہوا بنگال میں پہنچا تو عوام کی طبیعتیں خود بخود اس کی طرف مائل ہو گئیں اور لوگ جوک در جوک مسلمان ہوتے چلے گئے۔ یہ ایک ایسا بڑا سبب ہے کہ اس کے ہوتے کسی دوسرے سبب کی تلاش کی حاجت نہیں"۔[4]

ایسی زبانوں کا ارتقاء جو مسلمانوں اور مقامی آبادیوں کے مابین وسیلے کا کام دیتی تھیں۔ جہاں مسلمان فاتح آباد ہو گئے تھے، اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب حاکم و محکوم کے مابین سیاسی، انتظامی، کاروباری اور معاشرتی روابط قائم ہوئے۔ چنانچہ نویں اور دسویں صدی عیسوی کے عرب سیاحوں نے جو اشارے چھوڑے ہیں ۔ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں اور اس وقت جو زبانیں بولی جاتی تھیں ۔وہ عربی اور سندھی تھیں، مسلمانوں نے سندھی زبان سیکھی اور قدر تاً اس میں اپنی زبان کے الفاظ داخل کر دیئے۔ اس لیے جس طرح گیارہویں صدی عیسوی میں سلطان مسعود غزنوی کے درباری شاعر منوچہری نے بعض ہندی زبان الفاظ استعمال کئے ہیں۔ چندبردائی "کی پرتھی راج راسو میں جو بارہویں صدی کے آواخر میں لکھی گئی۔ بہت سے عربی اور فارسی کے الفاظ ملتے ہیں۔ برصغیر کے مختلف علاقوں میں

---

[3] رضوانہ معین، ڈاکٹر، اردو عربی کے لسانی اثرات، جناب جلال الدین اکبر، اردو کمپیوٹر سینٹر، حیدرآباد، 1998، ص، 344

[4] صباح الدین ، "سید، ہندوستان کے عہد وسطی کی ایک ایک جھلک"، معارف پریس، اعظم گڑھ، 1958، ص، 4331

مسلمان جو زبانیں بولتے ہیں ان کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ کسی نہ کسی مقامی زبان کے قوائد اور افعال و حروف کی بنیاد پر فارسی، عربی اور ترکی الفاظ و تراکیب کا کم یا زیادہ دخل موجود ہے۔ بیشتر دینیاتی الفاظ عربی کے ہوں گے۔

"عربوں کی تہذیب اور عربی زبان نے ایرانی تہذیب اور فارسی کو متاثر کیا تھا لیکن عربوں کی تہذیب بھی ایرانیوں سے کافی متاثر ہوئی تھی۔ سندھ میں عربی اور عربی سے متاثر، دونوں نے مقامی تہذیب اور زبان کو متاثر کیا۔ عرب اور ایرانی لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد ایک عالمی برادری میں منسلک ہو گئے تھے۔ جب وہ سندھ آئے تو اپنے ساتھ نئے عقیدے لائے، خدا کی واحدانیت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دینوی زندگی میں انسانوں کے آپس میں اخوت اور مساوات کا پیغام۔ ان کی مذہبی اور سماجی عقائد کا نچوڑ تھا۔ ان نئے عقائد کے ساتھ نئے لفظ بھی آئے تھے جن میں اللہ، رسول، نماز، روزہ، حج، ذکرہ، قرآن حدیث، اسلام اور اس طرح کے بہت سے لفظ تھے۔"[5]

تاہم سندھ میں عرب فاتحین بنو امیہ کے عہد خلافت میں 712 عیسوی میں آئے اور ملتان تک ان کا قبضہ ہو گیا اور ابتدائی فاتحین عرب تھے۔ جن کے خاندان یہاں آباد ہو گئے تھے۔ نویں صدی عیسوی میں جب ایران میں صفاریوں کا اقتدار ہوا تو ایرانی اثرات سندھ اور ملتان پر بھی ہوئے۔ اس عرصے میں کچھ عربی، فارسی الفاظ کا انجذاب مقامی زبان میں ضرور ہوا ہو گا۔ اس دور کے بعض سیاحوں نے یہاں عربی، فارسی اور سندھی کے رواج کا ذکر کیا۔[6]

بغداد کا سیاح، اِصطخری جو (951 عیسوی / 340 ہجری) میں سندھ اور ملتان آیا، اور انہوں نے اس بات کی نشاندہی کی کہ منصورہ اور ملتان اور ان کے ارد گرد کی زبان عربی اور سندھی ہے، اور مکران والوں کی زبان فارسی اور مکرانی ہے۔[7] اس کے علاوہ، بغداد کے ایک اور سیاح، ابن حوقل (جس نے (968 عیسوی / 358 ہجری) میں سندھ اور ملتان کا سفر کیا، اس نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ منصورہ اور ملتان اور ان کے ارد گرد میں عربی اور سندھی

---

[5] عبد القادر سروری "اردو کی ادبی تاریخ" میسرز شیخ محمد عثمان اینڈ سنز، تاجران کتب، سری نگر 1975، ص، 544

[6] وحید قریشی، ڈاکٹر، مدیر خصوصی، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند، چھٹی جلد اردو ادب (اول)، ص، 644

[7] سید سلیمان ندوی، علامہ "نقوش سلیمانی" اردو اکیڈمی سندھ، لاہور، 1967، ص، 33

زبان بولی جاتی تھی۔[8] اعلاوہ ازیں نئی قوم کے ساتھ نئی زبان، نیا مذہب، ان کی اصطلاحات اور ان کے نظام کے نئے نئے الفاظ بھی یہاں کے معاشرے میں اپنی جگہ بنانے لگے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری "اردو کی ادبی تاریخ" میں لکھتے ہیں۔

"نیا نظم و نسق جو آیا تھا، اس میں بادشاہ، حاکم برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کو چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک وہ دور جو سلطان محمود غزنوی کی فتوات پر ختم ہوا یہ کوئی پونے چار سو سال کی مدت ہے۔ دربار، عامل، دیوان، صوبہ دار، تحصیلدار، خزانہ جیسے بے شمار الفاظ تھے۔ جو نظم و نسق کے ساتھ رائج ہو گئے تھے۔ عدالت و انصاف کا نیا انتظام، قاضی، منصف، عدالت، وکیل، اس سلسلہ کے سارے نئے لفظ چاہتا تھا۔ فوجی تنظیم میں سپہ سالار، جمع دار، زین، رکاب جیسے لفظ آئے"۔[9]

انسان جہاں سکونت پذیر ہوتا ہے، وہاں کے جغرافیائی حالات، آب و ہوا اور ماحول کے لحاظ سے اس کی عادات و تقالید ہوتی ہیں۔ ان کے مکانات، ملبوسات اور معقولات کا خاص مذاق ہوتا ہے، حتیٰ کہ ان کے لسانی اور ادبی مذاق بھی وہاں کے ماحول سے متاثر ہوتے ہیں۔ عربی، ایرانی اور ترکی مسلمان جب یہاں آئے تو ان تمام تہذیبی اور تمدنی امور میں ان کا اپنا خاص مذاق تھا۔ ان کے عقائد، رسومات، عادات و تقالید اور دینی اور دینوی امور یہاں کے لوگوں سے مختلف تھے۔ جو تعمیرات ہوتی تھیں، ان میں ان کا ایسا ذوق معماری بھی ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر کتب مینار، لال قلعہ، تاج محل، سرائیں، خانقاہیں، مدارس اور مقابر ان کے ذوق کی عکاسی کرتے ہیں۔ لباس بھی یہاں کے لوگوں سے مختلف تھا۔ جیسے پاجامہ، شلوار، شیروانی، رومال، شال، دوشالہ اور ایسی سینکڑوں چیزیں بھارت نے لیں۔ اُن کے کھانے بھی الگ تھے، وہ بھی رائج ہوئے جیسے پلاو، بریانی، قورما، کباب، نان، کتنی ہی ایسے مزہ دار نام ہیں۔ باہر سے آنے والی مٹھائیاں جیسے برفی، قلاقند، گلاب جامن، شکر پارے، سارے ملک میں ہاتھوں ہاتھ لی گئیں۔ جواہرات

---

[8] ایضاً، ص:08

[9] عبدالقادر سروری "اردو کی ادبی تاریخ"، ص، 45 9

آئے جیسے لعل، عقیق، زمرد، فیروزہ۔ نئے زیورات میں پازیپ، گلوبند، گوشوارے جیسے بیسیوں ہیں۔[10] معین الدین احمد ندوی اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں" اظہارِ خیال کرتے ہیں:

"اسلامی ملکوں کے بیشتر علماء اپنے ہی ملک کے تھے۔ اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے مسلمان، سلاطین وامراء کی فیاضی اور علمی قدر دانی سے مختلف اسلامی ملکوں خصوصاً وسط ایشیا کے تمام علمی مرکزوں عراق وایران سے لے کر ترکستان بلکہ حجاز تک کے علماء کا عطر کھنچ کر ہندوستان میں جمع ہو گیا تھا۔ دوسرے اسلامی ملکوں کے علماء نے اسلامی علوم پر زیادہ تر عربی، اس کے بعد فارسی میں کتابیں لکھیں، دوسری زبانوں میں بلند پایا کتابیں بہت کم لکھی گئیں اور ہندوستان کے علماء نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ان علوم کی نمایاں خدمت کی"۔[11]

سندھ میں عربوں کی حکومت پہلی صدی ہجری کے آخری عشرہ سے لے کر تیسری صدی ہجری کے وسط تک رہی، اور سندھ کے دو حصے تھے، ایک الور اور دوسرا ملتان۔ ملتان اندرونِ ملک تھا، یہاں کی زندگی پر سکون تھی، اس لیے اصل علماء اور صوفیاء کرام کا یہ مرکز بن گیا۔[12]

صوفیائے کرام میں ملتان اور دیبل (موجودہ کراچی) کے کئی بزرگ نمایاں تھے۔ شیخ ابو العباس احمد بن عبد اللہ دیبکی اور ہارون بن عبد اللہ ملتانی کا نام اس سلسلے میں سر فہرست آتے ہیں۔ ان زاہدوں اور عالموں نے مقامی باشندوں کی تبلیغ اور رشد وہدایت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ اس غرض کے لیے وہ مقامی زبان استعمال کرتے تھے۔ ہارون بن عبد اللہ عالم تھے اور شاعری کا بھی انہیں اچھا ذوق تھا۔ ایک اور شاعر ابو ضلع سندھی تھے۔ جنہوں نے ہندوستان کی خوبیوں پہ عربی میں ایک نظم لکھی تھی۔ کہتے ہیں:

---

[10] ایضا، ص:10

[11] حکیم سید ابو الحیی، مولانا، " اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں " دار المصنفین، عظیم گڑھ، یوپی، 1969، ص، پیش لفظ 11

[12] عبد القادر سروری " اردو کی ادبی تاریخ "، ص، 46

میری جان کی قسم، یہ وہ سرزمین ہے، جب اس میں پانی برستا ہے تو دودھ، ایسے موتی اور یاقوت اس سے اُگتے ہیں۔ اس کی خاص چیزوں میں مشک، کافور، عنبر، عود اور قسم قسم کی خوشبوئیں ان کے لیے جو میلے ہوں" [13]

سندھ پر عربوں کے تسلط کے بعد سے وہاں عربی زبان اور عربی الفاظ کثرت سے استعمال ہونے لگے محمود غزنوی کے بعد فارسی کا اثر بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ عہد مغلیہ تک وہ سرکاری زبان رہی۔ تصنیف و تالیف کے لئے عربی اور فارسی دونوں استعمال ہوتی تھیں۔ اسی طرح سیاسی نظام، مسلم معاشرے اور تعلیم و ثقافت کے شعبوں میں عربی و فارسی الفاظ کے استعمال سے دونوں زبانیں اپنا اپنا اثر چھوڑ رہی تھیں۔ اگر فارسی سرکاری زبان تھی تو عربی مذہبی اور علمی ، بعض گوشوں میں کبھی عربی کا اثر غالب رہا اور کبھی فارسی کا۔ لیکن فورٹ ولیم کالج (1800ء) کے قیام اور پھر عہد مغلیہ کے خاتمہ کے بعد فارسی کے اثرات کم ہوتے گئے اور عربی کے اثرات بڑھتے گئے۔ عہد مغلیہ (1526 - 1857) میں افکار و خیالات میں وسعت پیدا ہوئی ۔ معاشرے میں فکری مد و جذر کار فرما رہا۔ اسلامی علوم و فنون پر زیادہ تر عربی و فارسی میں کتابیں لکھی گئیں۔ [14] حکم سید عبد الحی کی کتاب "نزھتہ الخواطر" آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ جس میں چار ہزار سے زیادہ اعیان ہندوستان کا تذکرہ ہے اور وہ اردو، فارسی اور عربی ادب میں پایہ بلند رکھتے تھے۔ ہندوستان میں ایسی سلیس عربی لکھنے والے مشکل سے گزرے ہوں گے۔ عربی زبان کے ایک نقاد ومیر الہلالی المراکشی آپ کی عربیت کے بڑے قائل ہیں۔ [15] اس کے علاوہ الثقافتہ الاسلامیہ فی الہند کے نام سے عربی میں ہندوستانی علماء و مصنفین کی تصانیف کی ایک فہرست مرتب کی تھی۔ یہ تنہا کتابوں کی فہرست نہیں ہے۔ بلکہ اس ضمن

---

[13] ایضاً، ص: 347

[14] رضوانہ معین، ڈاکٹر، "اردو پر عربی کے لسانی اثرات" ، ص، 47

[15] حکیم سید ابو الحیی، مولانا، " اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں "، 1969، ص، 501

میں ہندوستانی مسلمانوں کی پوری علمی، تعلیمی اور ذہنی و فکری تاریخ آگئی ہے۔ یہ دونوں کتابیں ہندوستانی مسلمانوں کے لسانی و فکری سرگرمیوں کے محاسبہ کے لیے ایک اہم حیثیت رکھتی ہیں۔[16]

ہندوستان میں سیاسی، اجتماعی، تہذیبی اور فکری و لسانی عناصر نے خاص طور پر ایک نئے ماحول کو پیدا کرنے میں مدد دی ۔ تمام مسلمان فاتحین اپنی اپنی مادری زبان (عربی و فارسی اور ترکی) بولتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ گو یہاں کی زبانیں اور بولیاں ان سے بالکل جدا تھیں لیکن انہوں نے سیاسی اور کاروباری زندگی کے بقاء کے لیے یہاں کی زبانوں اور بولیوں کو ذریعہ اظہار بنایا۔[17] سونیتی کمار چڑجی "ہند آریائی اور ہندی" میں لکھتے ہیں:

"ہند آریائی زبانوں میں فارسی عربی الفاظ کی درآمد برابر جاری رہی اور یہ بلکل فطری طور پر ہوا۔ یہ الفاظ ا، ب، ج، ہ، آکا جز بن گئے ہیں"۔[18]

جدید ہند آریائی زبانوں کے تشکیلی دور میں یہی وہ اسباب و حالات تھے جنہوں نے بنتی ہوئی نئی زبانوں کو سہارا دیا اور بالخصوص اردو کے مزاج کو دوسری جدید زبانوں سے خاصا جدا کر دیا۔[19] چونکہ اردو ایک ہند آریائی زبان ہے اور اس کی بنیاد کھڑی بولی ہے، جو مغربی ہندی کی ایک شاخ ہے۔ اس طرح اردو کا سلسلہ کھڑی بولی کے وسیلے سے شور سینی، اب بھرنش سے ملتا ہے، بہر کیف ابتداء میں اس پر کئی مقامی زبانوں کے اثرات رہے۔ لیکن اس کا ارتقاء کھڑی بولی کے علاقوں میں ہوا۔ جن میں بیشتر دلی اور اس کی نواحی بولیوں کا تعاون شامل ہے۔ رفتہ رفتہ جب کھڑی بولی میں عربی اور فارسی لفظوں کا ارتباط قائم ہوا تو اس کے صوتی مزاج میں فرق آگیا اس طرح ایک نئی شکل میں اردو زبان کا ارتقاء ہوا۔ جس کا لسانی مزاج دیگر ہند آریائی زبانوں سے جدا تھا۔ اس سے قبل کھڑی بولی کو خاص مرتبہ حاصل نہ تھا بلکہ یہ

---

[16] رضوانہ معین، ڈاکٹر " اردو پر عربی کے لسانی اثرات " ، ص، 648

[17] ایضاً، ص:17

[18] سنتی کمار چڑجی، "ہند اریائی اور ہندی"، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1905 ص، 123

[19] رضوانہ معین، ڈاکٹر " اردو پر عربی کے لسانی اثرات " ، ص، 19

صرف بول چال کی سطح پر قائم تھی۔ جب عربی فارسی کے اثرات نے اسے اردو کا لباس عطا کیا تو اس کی شخصیت ابھر کر سامنے آئی اور معیاری زبان کہلائی۔[20] ڈاکٹر ہر دیو باہری نے اپنی کتاب میں 1150 سے 1400 تک صرف تین الفاظ کا ذکر ہے۔ جیسے محمد، اسلام، صلح دار وغیرہ۔ 1400 سے 1600 تک کے سرکاری دستاویزات سے 100 الفاظ چنے گئے۔ جن میں ساٹھ عربی کے تھے۔ سات عربی اور فارسی کے مرکب الفاظ اور بقیہ فارسی اور ترکی عدالت، بندوق، فتح، بہادر، سوار، سردار وغیرہ۔ جبکہ بعد میں جب اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا۔ تو سرکاری و سماجی امور کے بہت سے اصطلاحی الفاظ عربی اور فارسی زبان سے لیے گئے۔

عربی کی اہمیت مسلمانوں کے ہاں ان کی مذہبی زبان ہونے کی وجہ سے تھی۔ اس لیے وہ تیزی سے پھیل رہی تھی۔ دوسرا وہ فارسی جس میں عربی الفاظ شامل تھے وہ سرکاری حکمران طبقہ کی زبان ہونے کی وجہ سے ملت میں مقبول ہو رہی تھی۔ روزمرہ زندگی کے امور اور علمی و ادبی اظہار کے لیے عربی اور فارسی الفاظ کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ ڈاکٹر ہر دیو باہری نے اپنی کتاب (Persian influence on Hindi) میں کچھ عربی الفاظ دیئے ہیں جیسے ادب، عقل، عاشق، امیر، وقت، دعا، غازی، حق، حلال، عبارت، عید وغیرہ۔ اردو زبان کے آغاز اور تعمیر کے بعد ارتقاء بھی درجہ بدرجہ ہوا ہے۔ اس دوران اسے مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑا ہے۔ اور بادشاہوں، سلاطین اور صوفیاء کرام سب نے اسے اپنے اپنے انداز سے برتا۔ اور تیرہویں صدی میں شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کے فقرے جو مختلف تذکروں سے ملتے ہیں۔ ان میں عربی زبان کے الفاظ شامل ہیں۔ چودھویں صدی میں امیر خسرو جو کم و بیش 99 تصانیف کے مالک اور بنیادی طور پر فارسی کے شاعر اور معلم تھے۔ پندرہویں صدی شیخ عبدالقدوس گنگوہی، جو الکھ داس تلخص کرتے نے ہندوؤں کی شعری اصناف، شد، شلوک اور دوہا وغیرہ کی ہیت میں اسلام کی نئی روح پھونکی۔ اسی زمانے میں جنوبی ہند میں بہمنی دور کا ایک شاعر فخر الدین نظامی گزرا ہے جس کی مشہور مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" ہے۔

---

[20] ایضاً، ص:49

جو کج کال کرنا سو توں آج کر۔
نہ گھال آج کا کام توں کل پر۔
سولہویں صدی کا شاعر کبیر

نہائے دھوئے کیا بھیا جو من میل نہ جائے
من صدا جل میں رہے دھوئے باس نہ جائے

سترہویں صدی کے نمونے شاعر غواصی کے ہاں کچھ یوں ملتے ہیں۔
کھلے سر تھے گلزار غواصی الحمدللہ، اٹھیا جگ میں مہیکار الحمدللہ۔

جہاں کا تہاں آج دیتے ہیں جلوا
سعادت کے آثار الحمدللہ

سترہویں صدی میں 1658 تا 1707 میں اردو کی ضرورت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اورنگزیب کے عہد میں اردو زبان مدرسوں اور مکتبوں میں عام طور پر ذریعہ تعلیم بن جاتی ہے۔ اصناف شاعری میں غزل، مثنوی، مرثیہ، قصیدہ اور قطعہ وغیرہ کے ایسے نمونے ہیں ۔ جن پر ناز کیا جا سکتا ہے۔

ولی دکنی کا ذکر آتا ہے جنہوں نے اپنی جدت پسندی اور حسنِ ترکیب سے اردو شاعری کو نئی سمت دی ہے۔ انہوں نے مزاج پختہ کے مطابق فارسی اور عربی سے مناسب بحور تلاش کی ہیں اور انہیں اردو کے قالب میں ڈھال دیا۔

تُجھ مُکھ کی پرِ ستِش میں کٹی عمر میری ساری
اے بت کی پجن ہاری، اس بت کو بچاتی جا

پھر میر تقی مِیر، مِرزا محمد رفیع سودا، خواجہ میر درد جیسے بلند پایہ شاعروں نے ولی کے اس انداز سُخن کی پیروی شروع کی۔

اٹھارویں صدی میں مغلیہ سلطنت کی گرفت کمزور پڑ رہی تھی۔ انگریزوں کے سیاسی اثرات تیزی سے بڑھ رہے تھے، جس کی وجہ سے تہذیب و معاشرت میں بھی تبدیلی کا رجحان شروع ہو رہا تھا۔ ان حالات میں فارسی کے اثرات خود بخود کم ہو رہے تھے اور اس کی جگہ اردو زبان لے رہی تھی۔ اردو زبان اپنے صدیوں کے ارتقائی سفر کے دوران مختلف

سفر لہجوں، رنگ و آہنگ اور اثرات کو جذب کر کے مضبوط بنیادوں پر قائم ہو چکی تھی اور انفرادیت بھی حاصل کر چکی تھی۔ عوام میں اسے مقبولیت حاصل تھی اب خواص میں بھی قدر و عزت کا مقام حاصل ہو گیا تھا اور مختلف موضوعات و خیالات کے لئے اردو زبان وسیلہ اظہار بنی۔ اور مرزا مظہر جان جاناں نے اصلاح زبان کی تحریک چلائی جو کامیاب ہوئی اور مظہر تحریک کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ الفاظ اصلی عربی یا فارسی املا کے مطابق لکھے جانے لگے۔ اور برج بھاشا اور دکنی ہندوستانی کی تقلید موقوف ہو گئی۔ اور بہت سے الفاظ اور محاورے متروک قرار پائے۔ مثلاً نت، جگت وغیرہ۔

انیسویں صدی میں فورٹ ولیم کالج کا قیام اور گلکرسٹ کی عام فہم اور سادہ زبان میں عبارتیں لکھوانا قابل قدر خدمت ہے اور انہوں نے حتی الامکان کوشش کی کہ انشاء بر داز مسجع و مقفٰی اور پیچیدہ عبارتیں نہ لکھیں۔ پھر سر سید احمد خاں جو بظاہر مغربی ملکوں کے تحقیقی اور تنقیدی ذہن، تعلیمی نظام اور سائنسی نقطہ نظر سے بہت متاثر تھے، نے یہ ذہن نشین کرایا کہ ادب کو بامقصد ہونا چاہیے اور تمام باتیں حقیقت پر مبنی ہوں اور آسان عبارت میں اس طرح سمجھا کر بیان کی جائیں کہ دل سے نکلیں اور دل میں بیٹھیں ۔ مولانا الطاف حسین حالی نے "مقدمہ شعر و شاعری" لکھ کر شعر و ادب میں باضابطہ تنقید کی بنیاد ڈالی اور نیچرل شاعری کی بھی بنیاد ڈالی۔ بیسویں صدی کے ابتدائی دور کی قدیم اردو زبان اردو میں فارسی جملے اور الفاظ کثرت سے استعمال میں تھے لیکن کوئی بھی صنفِ ادب کا کوئی بھی نمونہ دیکھیے اس میں ولی کا استعمال بڑھ گیا ہے بلکہ انگریزی کے الفاظ کا تناسب بھی بڑھ گیا ہے۔ بلخصوص صحافت کی دنیا میں۔ انگریزی الفاظ کا استعمال سر سید کے زمانے سے ہی ہو گیا تھا۔ مثلا سوٹ، بوٹ، ریل، پلیٹ، نیچرل اور ٹرین وغیرہ۔ صحافتی زبان کی کچھ سرخیاں جس میں عربی و انگریزی الفاظ کی کثرت کا اندازہ ہو سکے گا:

- اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت تک ملتوی
- ایک طالبہ کی خود سوزی
- لاری کی ٹکر سے پولیس کانسٹیبل ہلاک
- حیدرآباد میں امیگریشن آفس کے قیام کا فیصلہ

- ضلع کلکڑوں کی کانفرنس

**اختتامیہ**

بیسویں صدی کے شاعر علامہ اقبال نے اپنی نظم "ذوق و شوق" میں اظہارِ خیال کے لئے تمہیدی طور پر ایک منظرِ فطرت کا سہارا لیا ہے۔ مدینہ منورہ کے قریب صحرا میں صبح کا سہانا وقت ہے۔ ٹیلوں کی اوٹ سے سورج نمودار ہوتا ہے تو اس کی نورانی کرنیں چاروں طرف یوں بکھر جاتی ہیں جیسے حسنِ ازل نے اپنی نقاب کشائی کی ہے۔ رات کی بارش کے سبب نواحِ کاظمہ کی ریت ریشم کی مانند نرم ہو گئی ہے۔ درختوں کے پتے دھل کر پاک و صاف اور چمکدار ہو گئے ہیں اور رات کے بھرے ہوئے بادلوں کے چھوٹے چھوٹے رنگارنگ ٹکڑے ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ کوہ اضم کی پہاڑیوں کے پس منظر میں جب ان بادلیوں پہ سورج کی نکھری کرنیں پڑتی ہیں تو ان کی رنگینی اور رعنائی میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

شاعر فطرت بھی اس رنگینی میں کھویا ہے، اچانک اسے صحرا میں کسی گزرے ہوئے کاروان کے قیام کے نشانات نظر آتے ہیں۔ اس میں شاعر کی نگاہ تخیل کے سامنے تاریخ کی بساط پر سینکڑوں قافلے گزر جاتے ہیں۔ اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے پس منظر میں اسے یوں احساس ہوتا ہے جیسے جبریل علیہ السلام اسے غور و فکر کی دعوت دے رہے ہوں۔ کہ اہل دل کیلئے یہی مقامِ عبرت ہے اور لمحہ ءفکر بھی۔ اقبال کا اندازِ بیان ملاحظہ فرمائیں:

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صُبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نُور کی ندّیاں رواں
حُسنِ اَزل کی ہے نمود، چاک ہے پردۂ وجود
دل کے لیے ہزار سُود ایک نگاہ کا زیاں
سُرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہِ اِضم کو دے گیا رنگ برنگ طَیلساں
گرد سے پاک ہے ہوا، برگِ نخیل دھُل گئے
ریگِ نواح کاظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں

آگ بُجھی ہُوئی اِدھر، ٹُوٹی ہُوئی طناب اُدھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں
آئی صدائے جبرئیل، تیرا مقام ہے یہی
اہلِ فراق کے لیے عیشِ دوام ہے یہی

اقبال کی اس نظم میں نہ صرف عربی الفاظ کا استعمال ہے۔ بلکہ اس نظم کی پوری فضا ہی عربی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربی کے اردو زبان و ادب پر گہرے اثرات ہیں۔